ساجدہ زیدی کے ناول اور عورت کا استحصال

ڈاکٹر محمد شریف ملک (جموں)

ساجدہ زیدی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ بیک وقت شاعرہ، ناول نگار اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنا چکی ہیں۔ ساجدہ زیدی بنیادی طور پر ایک شاعرہ ہیں اور ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی ان کی منفرد پہچان ہے۔

ساجدہ زیدی کا نام اردو ناول نگاروں میں اہم ہے۔ ناول نگاری میں ان کا نقش اول 'موج ہوا پیچاں' ہے جو ۱۹۹۲ میں منظر عام پر آیا۔ مصنفہ نے یہ ناول لندن میں تحریر کیا۔ یہ تصنیف خود کلامی، آزاد تلازمہ خیال اور فلیش بیک کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ اس میں نہ تو زماں و مکاں کا کینوس وسیع ہے اور نہ ہی زندگیوں کا اژدھام ہے اور ساتھ ہی جن افراد کے نام آتے ہیں ان کی شخصیت کی مکمل ترین تصویر بن جاتی ہے۔ ناقدین حضرات کی نظر اور تنقیدی کسوٹی کے ترازو کے مطابق یہ ناول ایک جذباتی نمونہ معلوم ہوتا ہے لیکن زبان و بیان کی صفائی اور روانی کی داد دینی پڑتی ہے اور یہ مسحور کرنے والی زبان ذہن کو کافی حد تک متاثر کرتی ہے۔ ساجدہ زیدی نے اس ناول کا عنوان میر تقی میر کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے۔

پھر موجِ ہوا پیچاں اے میر نظر آئی   شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
(میر تقی میر)

اگر زنجیر کے استعاراتی معنویت کو ذہن میں رکھا جائے تو اس میں شامل کردار، راویہ، صوفیہ اور زینو کی ننھی منھی آرزوؤں، ان کی محرومیوں اور مجبوریوں کو سمجھانے میں کامیاب ہے۔ ناقدین کی نظر میں یہ ناول ایک ایسا تخلیقی کارنامہ ہے جس میں فن کے اصول و ضوابط کا استعمال منفی ہے اور ان کی رائے میں یہ ناول نہیں محض ناول کا ایک امکان ہے کیونکہ اس تصنیف میں شعری تخلیقی اصولوں کی کارفرمائی زیادہ ہے۔

'مٹی کے حرم' ساجدہ زیدی کا وہ شاہکار ناول ہے جو ۲۰۰۰ میں شائع ہوا۔ اس ناول کو ان کی دیگر تخلیقات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوا ہے۔ یہ ناول سوانحی نوعیت کا ہے۔ اس ناول کو سوانحی

ادب کے زمرے میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔اس تصنیف میں تقسیم ملک تک واقعات میں سوانحی انداز نمایاں ہے اور بعد کے تمام واقعات و میلانات ناول نگار کے تخلیقی و تخیلی حصہ ہیں۔

اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ مٹی سے بنی ہوئی چیز کا کیا وجود ہوسکتا ہے اور کبھی کبھی وقت کی ستم ظریفی اور حالات کی زد میں آ کر بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔اس ناول میں ساجدہ زیدی نے انسان کے وجود اور وقت کے جبر، حالات و حادثات کے میلانات سے ایک ایسی حقیقت کو اس شفاف آئینے میں پیش کیا ہے کہ انسانی زندگی کس طرح مجبوری، لاچاری و بے بسی کے گرداب میں پھنس جاتی ہے اور اس کا استحصال شروع ہو جاتا ہے۔

ساجدہ زیدی نے اس ناول کا عنوان علامہ اقبال کے شعر سے اخذ کیا ہے۔

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے　　میرے لئے مٹی کے حرم اور بنا دو

(اقبال)

اس ناول میں وقت کی شدت کا احساس دلایا گیا ہے کہ انسان وقت کی طاقت کے بہاؤ کو روک نہیں سکتا۔اس کے دھارے میں ہر چیز مجبور ہوکر بہہ جاتی ہے خواہ وہ پرانی مذہبی روایتیں یا محبتیں ،انسانی رشتے، کلچر یا کوئی دوسرا سرمایہ سب وقت کے بہاؤ کے ساتھ بکھر جاتے ہیں اور کبھی کبھی زندگی کے حسین و جمیل ارمان، آرزوئیں اور محبت کے جذبے دل ہی میں رکھ کر اس دنیا فانی سے رخصت ہونے کا وقت آ پہنچتا ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف ٹوٹ کر محبت کرنے والوں کو الگ کر دینا بھی اسی جبر کی علامت کا دوسرا نام ہے۔

اس میں تقسیم ملک جیسے حادثہ کو بھی وقت کی جبریت کا ہی ایک جز قرار دیا ہے جس کی وجہ سے اس دل ناتواں کو کس قدر اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔اس ناول میں ایک مہذب خاندان کی روایتیں، عقیدتِ مذہب، انسانی رشتوں وغیرہ کا شیرازہ بکھرا ہوا نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

'مٹی کے حرم' میں انسانی زندگی بالخصوص نسوانی زندگی کا زیادہ استحصال ہوا ہے۔وقت ایک ایسی بے آواز لاٹھی، بہتے ہوئے دریا اور طوفان بے مہار کی مانند ہے جس کے آگے کسی کی بھی نہیں چلتی ۔اس مقام پر عورتوں کو بہت سی اذیتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔اس کی ذمہ دار تو بہت سی وجوہات ہیں لیکن کبھی کبھی خود عورت کے ہاتھوں عورت کی زندگی جہنم بن جاتی ہے اور کہیں کہیں مرد خود غرض بن جاتا ہے تو اس کا خمیازہ بھی عورت کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ایسے حادثوں اور حالات میں انسان زندہ تو رہتا ہے مگر اصل زندگی کا مفہوم اس میں نہیں رہتا۔اس ضمن میں احمد فراز کا ایک شعر اس امر کی غمازی کرتا ہے

زندگی میں کچھ ایسے حادثے بھی ہوتے ہیں فراز   انسان بچ تو جاتے ہیں مگر زندہ نہیں رہتے

زندگی زندہ دلی اور حرکت و عمل کا نام ہے مسلسل حرکت و عمل سے جب یہ زندگی بے نیاز ہو جائے تو اس کا وجود خود بخود ختم ہونے لگتا ہے۔

'مٹی کے حرم' میں کم از کم چھ عورتوں کی زندگی سے وقت نے ایسا کھیل کھیلا ہے کہ وہ زندگی کی مسرتوں سے محروم ہو جاتی ہیں اور چین کی سانس لینا ان کے لئے ایک آرزو بن جاتی ہے اور حیات کے ہر موڑ پر وقت ان کی اپنی جبریت کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

اس ناول میں ساجدہ زیدی نے سوانحی حالات کے ساتھ ساتھ تاریخی اور عصری مسائل کو بھی پیش کیا ہے اور عالمی سطح پر کینیا جیسے ملک کی جنگ آزادی اور جدو جہد پر روشنی ڈالی ہے۔ دو قومی نظریے ہندوستان کی تحریک آزادی، بائیں بازوں کی تحریکوں سے وابستگی، ملک کا دو حصوں میں تقسیم ہو جانا اور اس کا کرب وغیرہ بہت ہی فنکارانہ پختگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ افریقی ممالک میں کینیا جیسے ملک کی جدوجہد آزادی کی بھرپور جھلک دکھائی دیتی ہے۔

مٹی کے حرم میں فرزانہ، سعدہ، سیما اور کلثوم فاطمہ مرکزی کردار ہیں۔ پوری کہانی ان ہی چاروں کرداروں کے گرد گھومتی ہے اور ان ہی اہم چار کرداروں کی زندگی وقت کی بے رحمی اور ستم ظریفی سے دوچار ہو کر اپنا حلیہ تبدیل کر لیتی ہے۔

اس ناول میں مصنفہ نے ابتدا سے اختتام تک ہر واقعے کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واقعات آپس میں مربوط ہیں اور تسلسل و توازن بھی ہر جگہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس ناول میں منظر نگاری اور مکالمہ نگاری کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ تخلیقی زبان ہونے کے ساتھ ہی اس میں مصنفہ نے اپنی طبیعت کے مزاج کے مطابق انگریزی زبان کے متعدد الفاظ کا بخوبی استعمال کیا ہے جس سے اردو اور انگریزی زبان کے اختلاط سے ایک نیا طرز تحریر اور ادبی اسلوب سامنے آیا ہے۔

کردار نگاری کے اعتبار سے یہ ناول اردو کے اعلی پایہ ناولوں کی صف میں اپنا شمار ہونے کا شرف رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طبقے سے کردار کا تعلق ہے اس کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی زبان پر ایک خاص قسم کی فنکارانہ قدرت جھلکتی ہے مثلاً کرتار سنگھ کی ماں کے مکالمے خالص پنجابی انداز اور انور پاشا کے بالخصوص حیدرآبادی لب و لہجے میں مبہم نظر آتے ہیں۔

کلثوم فاطمہ کا کردار اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ وہ مذہب کی پابند ہیں اور مذہبی و پرانی خاندانی روایتوں سے ان کو خاص لگاؤ ہے۔ اس کردار میں صبر و تحمل اور برداشت کرنے کا ٹھوس مادہ ہے۔ سچائی و ایمانداری ان کی واضح خوبی ہے۔ ساجدہ زیدی نے اس کردار کو خوبی و خامی اور سیرت کے

اعتبار سے ایک مکمل کردار کی شکل میں پیش کیا ہے۔

دوسرا مرکزی کردار فرزانہ کا ہے جو ہمت، علمیت، دلیری، خوداعتمادی اور ایگو پرستی کا مجسمہ ہے۔ سیما کا کردار بھی مٹی کے حرم میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس کردار کو ساجدہ زیدی نے معصومیت کے روپ میں پیش کیا ہے۔ یہ اپنے والدین کی سب سے چھوٹی اولاد ہے۔ اس کردار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی خوشی کی قربانی سے دوسروں کی خوشی کو زندہ رکھنا ہے۔ نیاز بانو کا کردار ایک ظالم اور خودغرض کی حیثیت سے سامنے آتا ہے خود بھی یہ مظلومی کا شکار ہے مگر اس کے باوجود دوسروں کی پریشانی کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔

جوگندر، امر، سلیم یہ تینوں کردار انسانی حقوق اور رشتوں کی پرستش کرنے والوں میں سے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات میں لٹے ہوئے لوگوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ذات پات کے جھمیلے سے یہ لوگ بالاتر ہیں حب الوطنی کا جذبہ ان لوگوں کے دلوں میں ٹھاٹیں مارتا رہتا ہے۔ وہ ملک کی خاطر آٹھ مہینے جیل کی ہوا بھی کھاتے ہیں۔ امر اور سلیم دونوں عاشق مزاج بھی ہیں۔ سلیم سچا عاشق ہے لیکن اظہارِ محبت نہیں کر پاتا۔

انور پاشا کا کردار بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی شخصیت میں سادگی اور تصنع کا غیر معمولی امتزاج نظر آتا ہے۔ حیدرآباد کے اعلیٰ خاندان کا مخصوص سوشل انداز اور سادگی اس کی فطرت میں شامل ہے۔ اس ناول کی کہانی تین مرحلوں میں طے ہوتی ہے۔ یہ پورے ہندوستان بلکہ برصغیر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر کردار خودمختار ہے۔ ساجدہ زیدی نے ناول میں تاریخی حقیقتوں، تہذیبی رشتوں، وراثتوں کے تانے بانے سے نئی نسل کو معرفت و دعوت کا پیغام دیا ہے۔ اگر انھیں مضبوط شناخت قائم رکھنی ہے تو ان کو رشتوں اور قدروں کی پاسداری و احترام کرنا پڑے گا۔ زندگی کی حقیقتوں کا سراغ پانے کے لئے مصنفہ نے ماضی، حال اور مستقبل کی کڑیوں کو بہت ہی فنکارانہ چابکدستی سے ایک ساتھ سمیٹ لیا ہے۔

'مٹی کے حرم' میں ایک سے زیادہ فنی تکنیکوں کا استعمال ہوا ہے مثال کے طور پر اس میں خود کلامی کی تکنیک، شعور کی رو، آزاد تلازمۂ خیال، فلیش بیک وغیرہ کی تکنیکوں کا عمدہ استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ ناول نگار نے ابتدا کے ترتیب و تنظیم میں شعری فکر کو اپنے اوپر حاوی کر رکھا ہے اس لئے بجائے نثری تخلیق کے شعریت کا زیادہ احساس ہوتا ہے لیکن ان کمزوریوں کے باوجود اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے کہانی کو ایک پرلطف جملوں کی مدد سے داخلی و حقیقی آہنگ عطا کیا ہے۔

'مٹی کے حرم' اس لحاظ سے کامیاب ناول ہے کہ اس میں واقعات کا بہاؤ بغیر کسی رخنہ کے

آگے بڑھتا ہے۔ واقعات جس طرح اپنی راہ حسین بناتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فنکار ان تجربوں سے بزات خود گزر رہا ہوا اور انھیں صرف تحریر کرتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ناول فنی کسوٹیوں پر بھی کھرا اترتا ہے۔ ساجدہ زیدی نے حقیقت شعاری کے ساتھ ساتھ کہانی کو ہر چند زندگی کی سچی تصویر بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ تصویر ان پہلوؤں کو آشکار کرتی ہے جس کی بنیاد پر فن پارہ اور حقیقی زندگی کے بیچ کی دوریاں مٹ جاتی ہیں۔

'مٹی کے حرم' نے ذاتی نہ رہ کر ایک اجتماعی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اس تصنیف میں ساجدہ زیدی نے سماجی رشتوں پر بھی نکتہ چینی کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ سماج میں رہنے والے مختلف طبقے کے لوگ کس طرح اپنے چہروں پر حیوانیت کے خول چڑھائے ہوئے ہیں۔ یہ تصنیف فن کے آب گیروں کو پوری طرح رواداری کے ساتھ سجوئے رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کہیں کہیں ایسے مقام بھی آتے ہیں۔ یہاں خامیاں بھی نظر آتی ہیں مثلاً چھوٹے چھوٹے واقعات کی ضرورت سے زیادہ تفصیل ہے جو قاری کو بوجھل پن کا احساس دلاتی ہے اور اس تخلیق میں کردار آزاد اور بے مہار طور پر آگے بڑھتے ہیں۔ ساجدہ زیدی کی عظمت و انفرادیت اس میں مضمر ہے کہ انہوں نے نئے نئے تجربات سے اپنے سارے مراحل کو قاری کے سامنے مکمل طور پر من و عن پیش کر دیا ہے۔ یہ ساجدہ زیدی کی حقیقت شعاری کا کرشمہ ہے جس نے ناول کو زندگی کا حقیقی رنگ عطا کر دیا ہے۔

انسان کے جذبات و احساسات کا اظہار اس کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس کو ہم مکالمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ مکالمہ اظہار خیال کا موثر ذریعہ ہے اور ناول کا ضروری جز بھی۔ مکالمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ فطری اور مناسب ہو۔ موزوں اور واضح ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہو۔ ایک کامیاب فنکار کے لئے لازمی ہے کہ وہ رشتہ، طبقات، علمیت و قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے جغرافیائی حالات کو ملحوظ نظر رکھے۔

جہاں تک 'مٹی کے حرم' میں مکالمہ نگاری کا تعلق ہے اس میں بھی ساجدہ زیدی پوری طرح کامیاب ہیں۔ انہوں نے ہر کردار کی زبان سے مناسب، موزوں، فطری، واضح و دلچسپ مکالمے ادا کروائے ہیں مثلاً کرتار سنگھ کی ماں کے مکالمے جن سے شدت واحساسات و جذبات کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ جب کرتار سنگھ سیما کو اپنے گھر لے جاتا ہے تو اس کی ماں آگ بگولہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کرتار سنگھ سے ناراض ہو کر بے ساختہ کہتی ہے۔

''اوے حرام دے پتر، کس ماں دی جاتی نوں چک لے لیا۔
اوے تجھے لاج شرم نہ آئی کہ دشا کردی کرموں جلی دی، میں نوں کی پتہ تھا کہ

تو بھی جانور بن جاوے گا...........اس جوانی تے آگ پہ"

انور پاشا کے مکالمے خاص حیدر آبادی انداز کے ہیں۔ جب انور پاشا سعدہ سے ملتی ہے اس سے اپنے شوہر کے چپ رہنے کی وجہ پوچھی ہے۔ اور ساتھ ہی مہدی بھائی یعنی اپنے شوہر کے بارے میں کچھ بتاتی ہے۔

"کتنا اچھا ہوا آپ لوگاں ادھر ہی مل گئے ہم دونوں ادھر بہت آئے جب مہدی میرے کو پہلی بار ادھر لائے میرے کو بہت شرم آئی......
سعیدہ بیگم تو خوب سمجھتی انہوں کی باتاں......یہ بھی بڑا اچھے اچھے شعراں کہتے وہ بھی غالب، اخبال اور میر کے شعراں ہر وقت بولتے رہتے۔ فلسفے کی موٹی موٹی کتاباں پڑھتے بحثاں کرتے..........سعیدہ بیگم اللہ انہوں نے پوچھ کر آپ ہمیں بتاو نہ جی"

'مٹی کے حرم' میں ساجدہ زیدی نے منظر نگاری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں اور اس کامیابی وسحر کے ساتھ اس پر اپنی فنکارانہ گرفت ڈالی ہے کہ منظر نگاری اپنی مثال آپ بن گئی ہے۔ وادیٔ کشمیر کی سیاحت کے ساتھ ساتھ ساجدہ نے کشمیر کی وادی کا حسن اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری اپنے آپ کو اس سے مسحور کر لیتا ہے اور اس ماحول میں ہی اپنے کو تصور کرنے لگتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جذبات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ لفظوں کی مدد سے وادی کا حسن اور اس کی تصویر کشی میں انہوں نے مہارت دکھائی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ گلمرک کے گلیشیر اور وادی لولاب کی منظر کشی میں ساجدہ زیدی نے کمال فن کی دلیل پیش کی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"چیڑ کے بلند و بالا درختوں کے مسلسل جھڑتے ہوئے کانٹوں نے عظیم الشان پہاڑوں کی ڈھلانوں پر گھنے جنگلوں سبزی مائیل بھوری سوئیوں کا دبیز بستر بچھا دیا تھا..................چھن چھن کر آئی ہوئی موہوم سی سورج کی کرنیں ان کا غسل کر رہی تھی ہلکے لاجوری آسمان پر کہیں کہیں بادل کے سفید اور سرمئی پرتے ہوئے ہیولے چیڑ اور دیودار کے سایوں میں پھیلی ہوئی سبز روشنی بھورے کانٹوں کی مرہوم سی بارش اور ہلکی ہلکی چبھن لئے ہوئے یہ دبیز بستر۔"

مجموعی طور پر ساجدہ زیدی نے منظر نگاری میں کمال فن کا ثبوت پیش کیا ہے بالخصوص مناظر

فطرت کی عکاسی میں انھیں مہارت حاصل ہے۔ ساتھ ہی افراد خانہ کے احساسات و جذبات کا بھی انھوں نے پورا خیال رکھا ہے۔

اس ناول میں ساجدہ زیدی نے زوال پذیر زمیندار گھرانے کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے کردار اسی سماج میں اپنی تمناؤں اور تنہائیوں، محبتوں اور محرومیوں کے ساتھ اپنی شناخت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں سماج کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ ساتھ مٹتی ہوئی پرانی قدروں کے ساتھ ابھرتی ہوئی نئی قدریں زندگی کے نشیب و فراز، امید و ناامیدی، خوشیوں کی شکست، زندگی میں ابھرتا ہوا رومانی تصور سب کچھ پالینے کے بعد بھی سب کچھ کھودینے کا احساس سب کچھ کھودینے کے بعد بھی بہت کچھ حاصل کر لینے کی خوشی بغیر چاہے ہی کچھ پالینا اور کبھی چاہتے ہوئے بھی اپنی چاہت سے دور رہ جانے کا غم۔

'مٹی کے حرم' میں ایک سے زیادہ فنی تکنیکوں کا استعمال ہوا ہے مثال کے طور پر اس میں خود کلامی کی تکنیک، شعور کی رو، آزاد تلازمہ خیال، فلیش بیک وغیرہ کی تکنیکوں کا عمدہ استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ ناول نگار نے ابتدا کے واقعات کی ترتیب و تنظیم میں شعری فکر کو اپنے اوپر حاوی کر رکھا ہے۔ اس لئے بجائے نثری تخلیق کے شعریت کا زیادہ احساس ہوتا ہے لیکن ان کمزوریوں کے باوجود اس اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے کہانی کو ایک پرلطف جملوں کی مدد سے داخلی و حقیقی آہنگ عطا کیا ہے۔

'مٹی کے حرم' سے ساجدہ زیدی کے ذاتی تجربات و مشاہدات اور ان کی فکر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے جس طرح 'آنگن' میں خدیجہ مستور اور 'ٹیڑھی لکیر' میں عصمت چغتائی کی ذات اور ان کے تجربات و مشاہدات، ان کی محرومیاں اور حسرتیں صداقت پسندانہ اظہار کے سانچے میں ڈھل کر ان ناولوں کو آپ بیتی سے قریب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مٹی کے حرم میں بھی ساجدہ زیدی کے فکری تلازمے اور حسی و داخلی کوائف اسی طرز پر ہیں کہ تہذیبی و معاشرتی تناظر اور زبان و بیان سے متعلق یکساں رویے بھی ساجدہ زیدی کو خدیجہ مستور، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں اور مصنفہ کی علمی بصیرت کا بخوبی استعمال دیکھ کر داد دینی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساجدہ زیدی کا نام بھی ناول نگاری کے میدان میں الگ پہچان اور منفرد اہمیت کے ساتھ ساتھ شعریت کے تخلیقی جوہر کی وجہ سے بھی مشہور و مقبول ہے۔

سال اشاعت: ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر : ۱۷
سرنامہ خطاط : انور جمال
سرورق وکمپوزنگ: عظمیٰ اسکرین
فی شمارہ : سو روپے
زرسالانہ : پانچ سو روپے (رسالہ صرف رجسٹرڈ ڈاک سے ہی بھیجا جائے گا)
تاعمر خریداری (ہند): دس ہزار روپے
تاعمر خریداری: دیگر ممالک بیس ہزار روپے

چیک یا ڈرافٹ اور انٹرنیٹ بینکنگ
کے ذریعے زررفاقت ان نمبروں اور پتوں پر ارسال کریں۔

- Tahreek-e-adab IFSC IOBA 0001968 Current A/c 196802000000440
- Jawed Ahmad IFSC IOBA 0001968 A/c 196801000000568

Indian Overseas Bank, Glenhill School Ext. Counter, Manduadeeh Bazar,
Varanasi-221103 (U.P.) India

ازراہِ کرم زرِرفاقت کرنسی کی صورت میں لفافے میں رکھ کر ہرگز ہرگز ارسال نہ فرمائیں، پیسے راستے میں ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ تخلیق کے ساتھ اپنا فون نمبر یا ای۔میل اور اگر ممکن ہو تو دونوں ہی درج کرنے کی زحمت فرمائیں۔ عنایت ہوگی۔

مراسلت کا پتہ
Jawed Anwar
Urdu Ashiana
167, Afaq Khan ka Ahata, Manduadeeh Bazar
Varanasi-221103 (U.P.) India
Mobile: 0091-993-595-7330 e-mail: jaweanwar@gmail.com

جاوید انور مدیر تحریک ادب نے مہاویر پریس، وارانسی سے چھپوا کر اردو آشیانہ ۱۶۷، آفاق خان کا احاطہ، منڈواڈیہہ بازار، وارانسی سے شائع کیا۔
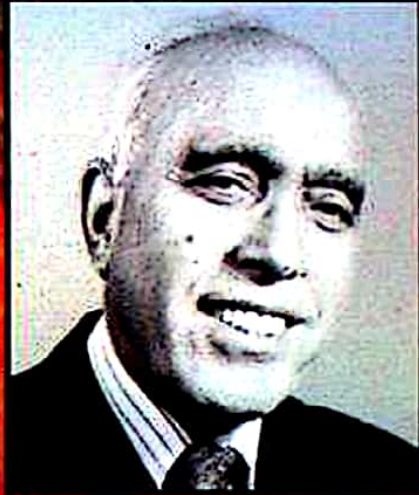
ISSN No. 2322-0341
تحریک ادب
شمارہ (۱۷)
اردو
تحریک بقائے اُردوٗ
شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ
ڈاکٹر زبیر فاروق العرشی
احمد شناس